# قرآنی طرز زندگی میں معاشرہ کی اصلاح کے طریقے

بتول جعفری *

خلاصہ:

خداوند عالم نے انسانوں کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا اور انہیں انسان کی پہچان کا ذریعہ قرار دیا، انہی قوموں اور قبائل سے مل کر معاشرے تشکیل پاتے ہیں، معاشرے کی دو اقسام ہیں، الٰہی معاشرہ اور غیر الٰہی معاشرہ، اور یہ معاشرے بعض اوقات ترقی کی منازل طے کرتے ہیں تو کبھی تنزلی کا شکار ہو جاتے ہیں، اور اس ترقی و تنزلی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں جن طریقوں کے حاصل کرنے کی وجہ خود انسان بنتے ہیں۔ یہ طریقے کون کون سے ہیں؟ اور یہ طریقے کس طرح مہیا ہوتے ہیں؟ کس وقت کوئی معاشرہ اصلاح و فساد کا شکار ہوتا ہے؟ اس بارے میں مختصر طور پر اس مقالے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں چار ابحاث ہیں۔ بحث اول مفاہیم شناسی پر مشتمل ہے جس میں معاشرے اور اصلاح کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ ذکر کیے گئے ہیں۔ بحث دوم میں قرآنی طرز زندگی کو بیان کیا گیا ہے بحث سوم میں معاشرے کی اقسام بیان کی گئی ہیں اور بحث چہارم میں قرآنی طرز زندگی میں معاشرے کی اصلاح کے طریقے بیان کیے گئے ہیں ۔ معاشرے کی اصلاح کے چند طریقے مثلاً الٰہی تعلیمات پر عمل، اتحاد و وحدت کا قیام، عدالت و انصاف کا نفوذ اور اجتماعی تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کلیدی کلمات: معاشرہ، اصلاح، زندگی، طریقے، فساد

## مقدمہ

تمام حمد و ثنا اس خدا کے لئے ہے جس نے بابرکت کتاب قرآن مجید کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ایسی کتاب جو سب کے لیے ہمیشہ زندہ معجزہ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا و متعال نے لیا ہے خداوند متعال کا ارشاد ہے:





* ایم فل سکالر شعبہ معارف و علوم قرآن جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، اسلام آباد

انا نحن نزلناالذکر و انا له لحفظون۔[1]

ہم نے اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس رحیم پروردگار نے قرآن پاک جیسی کتاب نازل فرما کر قیامت تک آنے والوں کے لیے اپنی حجت تمام کر دی، قرآن پاک کتاب ہدایت ہے، جس کے احکامات پر عمل کر کے نہ صرف افراد بلکہ اقوام بھی اپنی ہدایت و نجات کا سامان مہیا کر سکتی ہیں۔ افراد کو اقوام میں تقسیم کرنا اس کریم رب کی ایک اور نعمت ہے تاکہ انسان اجتماعی زندگی گزار کے اجتماعی روح کے ساتھ کمال انسانیت کو حاصل کر سکے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان ان اسباب و عوامل کا مطالعہ کرے کہ وہ کون سے علل و عوامل ہیں جو گذشتہ اقوام کی اصلاح کا باعث بنے۔

## ا: معاشرے کا لغوی معنی

معاشرے کو عربی زبان میں جامعہ کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل (جمع) ایک شئے کے دوسری شئے کے ساتھ مل جانے پر دلالت کرتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جمعت الشئی میں نے شئے کو جمع کیا اور وہ عورت جو مر جائے اور اس کے بطن میں بچہ ہو تو اسے جُمع کہا جاتا ہے اور مکہ کو جمع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اسی طرح روز جمعہ کو بھی لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے جمعہ کہا جاتا ہے۔ ایک شے کے دوسری شئے کے ساتھ مل جانے کو اجتماع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[2]

لفظ جامعہ جامع کا مؤنث اور "جمع "کا اسم فاعل ہے اور لغت میں طوق، زنجیریں، جمع ہو جانا، اور وہ زنجیر جو ہاتھوں اور گردن کو جکڑنے کو جامعہ کہتے ہیں۔[3]

باہم مل جل کر رہنا، انسانی ماحول، جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کو رہنے سہنے اور اپنی ترقی و بہبود کے لیے دوسروں سے واسطہ پڑتا ہے، سماج اور معاشرہ کہلاتا ہے۔[4]

---

[1]۔ سورہ حجر آیت ۹

[2]۔ حسن مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، تہران: وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۶۸ ش، ج ۲، ص: ۱۲۶

[3]۔ عبداللہ جوادی آملی، جامعہ در قرآن، قم: مرکز نشر اسراء، چ: سوم ۱۳۸۹ھ ش، ص ۲۶

[4]۔ http://urdulughat.info

الجَامِعَة: تعلق، رابطہ اور وہ زیور جو ہاتھوں پہ چپک جائے، ایک ساتھ رہنے کو اور یونیورسٹی کو بھی جامعہ کہا جاتا ہے۔[1]

### ۲: معاشرے کا اصطلاحی معنی

جیسا کہ معاشرے کے لغوی معنی میں کہا جا چکا ہے کہ باہم مل جل کر رہنے اور مشترکہ انسانی ضروریات کے لیے جمع ہونے کو معاشرہ یا اجتماعی زندگی کا نام دیا جاتا ہے۔ معاشرے کی چند کئی ایک اصطلاحی تعریفیں ذکر کرتے ہیں۔

انسانوں کی وہ خاص حالت جس کی بنا پر وہ مشترکہ قانونی زندگی گزارتے ہیں۔[2]

انسانوں پر مشتمل وہ جماعت جو خاص قوانین، خاص آداب و رسوم اور خاص نظام کی حامل ہو اور انہی خصوصیات کے باعث ایک دوسرے سے منسلک اور ایک ساتھ زندگی گزارتی ہو معاشرہ کہلاتی ہے دوسرے لفظوں میں معاشرہ انسانوں کے اس مجموعے کا نام ہے جو ضرورتوں کے جبری سلسلے میں عقائد، نظریات اور خواہشات کے زیر اثر ایک دوسرے میں مدغم ہیں اور مشترکہ زندگی گزارتے ہیں۔[3]

### ۳: اصلاح کا لغوی معنی

نظم و باقاعدگی پیدا کرنا، اور اس کا الٹ فساد ہے۔[4]

### ۴: اصلاح کی اصطلاحی تعریف

اصلاح اور فساد کا ایک متضاد جوڑا بناتی ہیں جن کا ذکر قرآن اور دیگر الہامی کتابوں میں اکثر آیا ہے۔ متضاد زوج جو کہ اعتقادی اور اجتماعی اصطلاحوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کو اگر آمنے سامنے رکھا جائے تو مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے' مثلاً ہم یہ متضاد الفاظ سنتے ہیں' توحید و

---

[1]۔ فؤاد افرام بستانی، فرہنگ ابجدی، (مترجم: رضامہیار)، تہران: انتشارات اسلامی، بی تا، ص ۲۸٦

[2]۔ عبد اللہ جوادی آملی، جامعہ در قرآن، ص ۲٦

[3]۔ مرتضٰی مطہری، تاریخ اور معاشرہ، لاہور: شہید مطہری فاؤنڈیشن، بی تا، ص ۱۰

[4]۔ ابوالفضل عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، لاہور: مکتبۃ خلیل، بی تا، ص٦٧۴؛ وحید الزمان قاسمی کیرانوی، پاکستان: ادارہ اسلامیہ، ۲۰۰۱، ۱۴۲۲، ص ۹۳۴۔

شرک، ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، عدل و ظلم، خیر و شر، اطاعت و معصیت، شکر و ناشکری، اتحاد و اختلاف، غیبت اور شہادت، علمیت و بے علمی، تقویٰ و فسق، تکبر و انکسار وغیرہ۔ کچھ متضاد اصطلاحیں ایک دوسرے کے معنی کی وضاحت کر کے مثبت اور منفی پہلو کا اظہار کرتی ہیں، اصلاح اور فساد اسی قسم کی اصطلاحیں ہیں، قرآن میں اصلاح کا بعض دفعہ دو افراد کے رابطے میں (اصلاح ذات البین) استعمال ہوا ہے بعض دفعہ خاندانی ماحول کے متعلق اور بعض دفعہ وسیع تر معاشرتی ماحول کے متعلق جو کہ اس وقت میرے پیش نظر ہے اور اس کا قرآن کی کئی سورتوں میں ذکر ہے (سورہ بقرہ ۲۲۰، ۱۱، سورہ اعراف ۱۷۰، ۵۶، ہود ۱۱۸، ۸۸ اور قصص ۱۹)۔ اس کے بعد جب بھی اس تحقیق میں لفظ اصلاح استعمال ہو گا تو اس کا مقصد معاشرے کی سطح پر اصلاح ہو گا یعنی اصلاح معاشرہ ہو گا۔[1]

قرآن نے پیغمبروں کو مصلح قرار دیا ہے جیسے کہ حضرت شعیب (ع) نے فرمایا:

> ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا بالله علیه توکلت و الیه انیب[2]
>
> میں اپنی استطاعت کے آخری امکان تک صرف اصلاح کرنا چاہتا ہوں، میری کامیابی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، میں صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔
>
> كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ[3]
>
> اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

---

[1]۔ حسین بن محمد راغب اصفہانی، (ترجمہ: صفوان عدنان داوودی) مفردات الفاظ القرآن، بیروت دار لقلم-الدار الشامیہ، چ: اول، ۱۴۱۲ق، ص ۵۲۰

[2]۔ سورہ ہود/ ۸۸۔

[3]۔ سورہ آل عمران/۱۱۰۔

یہ اہل کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں مگر ان کے بیشتر افراد نافرمان ہیں۔

بلاشک اصلاح اسلام کی روح ہے، ہر مسلمان بحیثیت مسلمان اصلاح کا طالب ہے اور وہ لاشعوری طور پر اصلاح کا طرفدار ہے، قرآن میں اصلاح کی چاہت پیغمبری کا جزو ہے اور اس کی اہمیت ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' جیسی ہے جو کہ اسلام کی اجتماعی تعلیمات کا ایک رکن ہے۔ ہر امر بالمعروف و نہی عن المنکر اجتماعی اصلاح کے زمرے میں نہیں آتا، لیکن اجتماعی اصلاح ان تمام امور پر محیط ہے جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں آتے ہیں، لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وہ مسلمان جو کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں محتاط ہوتا ہے، وہ اجتماعی اصلاح کے بارے بھی کافی حساس ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی شخصیت اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر ایک مصلح کی صورت میں پہنچوائی ہے۔ "آپؑ فرماتے ہیں:

"اے خدایا! تو خوب جانتا ہے کہ ہم نے کیا کیا! میرا مقصد طاقت کا اظہار اور ذاتی مفاد کا حصول نہیں تھا بلکہ تمہارے ان امور کا احیاء تھا جو آپ کی طرف لے جانے والی شاہراہ کے سنگ میل ہیں، اس سے تمہارے شہروں میں دیرپا اور نمایاں اصلاح کرنا مقصود تھا تاکہ رسوا اور کچلی ہوئی انسانیت کو تحفظ مل سکے اور تمہارے ان احکامات کو جن کی پرورش نہیں کی گئی شدت کے ساتھ نافذ کرنا تھا۔"[1] امام حسین علیہ السلام نے بھی دور امیر شام میں دورانِ حج ایک بڑے اجتماع میں جو اہم صحابہ پر مشتمل تھا، اپنے والد کے درجہ بالا دیئے ہوئے کلمات دہرائے اور اپنا کردار بحیثیت مصلح آشکار کیا۔"[2]

امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی محمد حنفیہؒ کے نام وصیت نامہ میں ایک مصلح کی حیثیت سے اپنے اصلاحی کاموں کی تشریح کی، آپ فرماتے ہیں:

[1]۔ استاد انصاریان، ترجمہ: نہج البلاغہ، (تہران، انتشارات پیام آزادی، بی تا،) ص ۲۴۷۔

[2]۔ مرتضٰی مطہری، اسلامی تاریخ میں اصلاحی تحریکیں، لاہور: معراج کمپنی، بی تا،) ص ۱۔

انی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی ارید ان امر بالمعروف و انهی عن المنكر و آسیر بسیرة جدی و ابی[1]

میرا انقلاب ذاتی مفاد کے لئے، فساد و ظلم کرنے کے لئے نہیں، بلکہ میں نے جد امجد کی امت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے، میرا ارادہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پہچان کرانا اور میرا مقصد اپنے والد اور دادا کی سیرت پر چلنا ہے۔

## قرآنی طرز زندگی

قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب ربانی ہے، جو کسی خاص طبقہ اور گوشہ یا کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تمام بنی نوع انسان کے رشد و ہدایت کی ضامن ہے۔(هُدًى لِّلنَّاسِ[2]) یہی وہ مکمل دستور حیات ہے، جس کی ابدیت و آفاقیت کو کبھی زوال نہیں اور یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کا مجموعہ ہے، قرآن کریم لاثانی کتاب ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے اس کی عظمت و شان پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ[3]

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (محمد رسول اللہ ﷺ) آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

قرآن پاک کی شان میں رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں:

وهو حبل الله المتين وهو الذكر الحكيم---[4]

---

[1]۔ جعفر بن محمد ابن نما حلی (مترجم: علی کرمی)، در سوگ امیر آزادی، (ترجمہ: مثیر الأحزان)، (قم: حاذق، چ: اول، ۱۳۸۰ ش،) ص ۲۷۔

[2]۔ سورہ بقرہ/ ۱۸۵

[3]۔ سورہ حشر/۲۱

[4]۔ محمد بن عیسی ترمذی (مترجم: بدیع الزمان)، سنن ترمذی، لاہور: اسلامی کتب خانہ، بی تا، جلد ۲، ص ۲۷۰؛ علی بن محمد لیثی واسطی، عیون الحکم والمواعظ، قم: دار الحدیث، چاپ: اول، ۱۳۷۶

وہ اللہ کی مضبوط رسی اور وہی محکم ذکر ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک اور جگہ فرمایا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ هُوَ حَبْلُ اللهِ وَ هُوَ النُّورُ الْمُبِينُ وَ الشِّفَاءُ النَّافِعُ فَاقْرَءُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْجُرُكُمْ عَلَى تِلَاوَتِهِ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ الم حَرْفٌ وَاحِدٌ وَ لَكِنْ أَلِفٌ وَ لَامٌ وَ مِيمٌ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً.[1]

بے شک یہ قرآن اللہ کی رسی ہے۔۔۔ بے شک اللہ تمہیں اس کے ہر حرف کی تلاوت کرنے کے بدلے دس نیکیاں دے گا میں نہیں کہتا کہ الم ایک لفظ ہے لیکن الف، لام، میم کے بدلے تیس نیکیاں عطا کرے گا۔

حضرت علیؑ قرآن کی شان میں فرماتے ہیں:

فَالْقُرْآنُ آمِرٌ زَاجِرٌ وَ صَامِتٌ نَاطِقٌ حُجَّةُ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ أَخَذَ عَلَيْهِ مِيثَاقَهُمْ وَ ارْتَهَنَ عَلَيْهِمْ أَنْفُسَهُمْ أَتَمَّ نُورَهُ وَ أَكْمَلَ بِهِ دِينَهُ۔[2]

قرآن اچھائیوں کا حکم دینے والا، برائیوں سے روکنے والا، بظاہر خاموش اور بباطن گویا اور مخلوقات پر اللہ کی حجت ہے کہ جس پر عمل کرنے کا اس نے بندوں سے عہد لیا ہے اور ان کے نفسوں کو اس کا پابند بنالیا ہے۔ اس کے نور کو کامل اور اس کے ذریعہ سے دین کو مکمل کیا ہے۔

ش، ص ۵۱۳؛ محمد بن مسعود عیاشی، تفسیر العیّاشی، تہران: المطبعة العلمیة، چاپ: اول، ۱۳۸۰ ق، ج ۱، ص ۳؛ نعمان بن محمد مغربی، شرح الأخبار فی فضائل الأئمة الأطهار علیهم السلام، قم: جامعه مدرسین، چاپ: اول، ۱۴۰۹ ق. ج ۲، ص ۳۱۰

[1] محمد بن محمد شعیری، جامع الأخبار، نجف: مطبعة حیدریة، چاپ: اول، بی تا، ص ۴۰

[2]۔ محمد بن حسین شریف الرضی، نہج البلاغة (للصبحی صالح)، قم: ہجرت، چاپ: اول، ۱۴۱۴ ق، ص ۲۶۵؛ محمد باقر مجلسی، بحار الأنوار، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، چاپ: دوم، ۱۴۰۳ ق، ج ۸۹، ص ۲۰

## معاشرے کی اقسام

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمام انسانی معاشرے ایک نظریہ حیات کے تابع ہو سکتے ہیں یا معاشروں کا تنوع مختلف نظریہ ہائے حیات کی پیداوار ہے اور ہر قوم، ہر ملت ہر تمدن اور ہر ثقافت کو خاص نظریہ حیات کی ضرورت ہے؟ کیوں کہ نظریہ حیات ان راستوں سے عبارت ہے جو معاشرے کو کمال و سعادت کی طرف لے جاتے ہیں۔ جب معاشرے طبیعیتوں، ماہیتوں اور ذوات میں مختلف ہیں تو یہ فطری امر ہے کہ ان کے منصوبے، ان کے لائحہ عمل، ان کے نظریات اور ان کے لیے کمال و سعادت بھی متنوع ہوں اور ایک نظریہ حیات ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتا۔[1]

شہید مطہری نے معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک بہرہ مند، ظالم اور استعمار گر طبقہ، جس میں تمام کافرین آتے ہیں اور دوسرا مستضعف گروہ جو مومنین سے مرکب ہے۔

انسانی معاشرہ معین اہداف کے لیے تدریجاً سفر کرتا ہے۔ یہ حقیقت میں وہ مقاصد ہوتے ہیں جن کی طرف معاشرے کے افراد جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے بڑھتے ہیں۔ ہر معاشرے کا اپنا ایک ہدف ہوتا ہے اور یہی مقصد اسے الہی و غیر الہی بنا دیتا ہے۔ مقصد کو معیار قرار دیتے ہوئے معاشرے کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱)۔ الہی معاشرہ ۲)۔ غیر الہی معاشرہ

### ۱: الہی معاشرہ

الحادی اور غیر الہی اجتماعی نظام کے مقابلے میں ایک اور نظام الہی بھی موجود ہے اس عقیدے کے ماننے والوں کے مطابق انسان و جہان کو خداوند عالم نے پیدا کیا ہے اور ایک منظم نظام کے تحت قرار دیا ہے اور یہ نظام کائنات ایک خاص مقصد و ہدف کا حامل ہے اور اس کا آغاز و انجام تدبیر الہی کے تابع ہے۔ موت چیزوں کو فنا نہیں کرتی بلکہ ان سب کو اپنے رب کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

إِنَّا لِلهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ ۔[2]

ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔

---

[1] ۔ مرتضی مطہری، معاشرہ اور تاریخ، ص ۴۰

[2] ۔ سورہ بقرہ/۱۵۶

رہبر معظم سید علی خامنہ ای دام ظلہ العالی کی نظر میں الٰہی معاشرے سے مراد ایسا معاشرہ جس میں تمام افراد معاشرہ پر اطاعت خداوند حکم فرما ہو دوسرے لفظوں میں اس معاشرے کی تمام راہ و روش فرمان خدا کے مطابق ہو۔[1]

ایسے عقیدے کے لوگ، چونکہ انہوں نے اپنے خدا اور ماحول کے درمیان ایک طبیعی تعلق کو قبول کیا ہے، قانون کے حاجت مند ہیں ۔ غیر الٰہی معاشرے کو قانون کی ضرورت ہوتی ہے لیکن نظام الٰہی میں انسان قانون کا محتاج ہوتا ہے۔ چونکہ انسان اجتماعی زندگی گزارتا ہے اس لیے وہ قانون و نبوت کا محتاج ہے۔

## ۲: غیر الٰہی معاشرہ

مادہ پرست لوگ انسانی زندگی کو اس مادہ میں منحصر و محدود سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں ماوراء مادہ کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ وہ تمام مخلوقات کو موت و حیات کے درمیان ہی محدود سمجھتے ہیں۔ وہ مرنے کے بعد کسی اور جہان پر عقیدہ نہیں رکھتے ان کے عقیدے کی قرآن پاک نے اس طرح سے تصویر کشی کی ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ [2]

زندگی کچھ نہیں ہے مگر بس یہی دنیا کی زندگی۔ یہیں ہم کو مرنا اور جینا ہے اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔

وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ لوگ مر جاتے ہیں اور ان کی جگہ باقی آنے والے لے لیتے ہیں اور ان کا گمان باطل ہے کہ:

وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ [3]

اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے اور تم سے حساب و کتاب لیا جائے گا تو وہ کہتے ہیں:



---

[1]۔ علی حسینی خامنہ ای، توحید اور معاشرہ، (مرتبہ: مجاہد حسین حر)، لاہور: معراج کمپنی، بی تا، ص ۳۲

[2]۔ مومنون / ۳۷

[3]۔ جاثیہ / ۲۴

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ [1]

کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟

اگر کوئی انسان ایسے عقیدے کا حامل ہو تو وہ اپنے آپ کو قوانین الٰہی کا محتاج نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے آپ کو زندگی کے تمام امور میں آزاد گردانتا ہے، اخلاقی و اعتقادی لحاظ سے کوئی رکاوٹ نہیں دیکھتا اپنی مرضی سے وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نگاہ میں انبیاء انسانی زندگی کو محدود کرنے کے لیے آتے ہیں اور ان کی تعلیمات انسان کی زندگی کے رشد و کمال میں رکاوٹ ہیں۔ [2]

طاغوت اور غیر اللہ کے بنائے گئے نظام، انسان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں کہ وہ خدا کو بھول جاتے، اس خدا کا نام ان کی سماعتوں میں پہنچتا ہے حتی بعض اوقات بظاہر وہ خدا کے معتقد ہوتے ہیں لیکن خدا کے حق کو فراموش کر دیتے ہیں۔ [3]

اس معاشرے کی خصوصیات کو شہید مطہریؒ نے "تاریخ اور معاشرہ" میں اس طرح سے بیان کیا ہے کہ اس میں کذب، خیانت، فجور، ریا، نفس پرستی، کوردلی، قساوت، بخل، اور تکبر جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

## قرآنی طرز زندگی میں معاشرے کی اصلاح کے طریقے

مندرجہ بالا ابحاث میں گزر چکا ہے کہ ہر چیز کا فائدہ اور نقصان ہوتا ہے لیکن ہم معاشرے کی اصلاح کے طریقے کو قرآن کی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ کس طرح ایک معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے؟ اور وہ کون سے طریقے ہیں جن کو مہیا کر کے کمال و رشد حاصل کیا جا سکتا ہے؟ قرآن پاک جس طرح فردی زندگی کے لیے اصلاح و فساد کا قائل ہے اور انسان کو ذلت کی زندگی سے نکال کر عزت کے مقام تک پہنچانا چاہتا ہے اسی طرح اس نے انسان کی اجتماعی زندگی کو بھی زیر بحث لا کر اصلاح و فساد کے طریقے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے ان اقوام کی مثالیں بھی ذکر کی ہیں جنہوں نے وہ طریقے اپنائے کیے جو ان کی اصلاح کا باعث بنے۔ قرآن پاک اصلاح کے طریقے کو نعمت کے عنوان

---

[1]۔ یس/ 78

[2]۔ عبداللہ جوادی آملی، جامعہ در قرآن، ص ۸۲

[3]۔ علی حسینی خامنہ ای، توحید اور معاشرہ، ص: ۳۹

سے ذکر کرتا ہے اور نیک اعمال کو انجام دینے والوں پر رحمت کی نوید سناتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ۔۔۔

پھر ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو اللہ ان کا پورا اجر دے گا اور انہیں اپنے فضل سے مزید عطا کرے گا۔

جس طرح فردی اعمال کی جزاو سزا بیان ہے ویسے ہی اجتماعی زندگی میں اعمال کی جزاو سزا کی مستحق پوری قوم ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا[1]

ہر امت اور ہر معاشرے کو اس کے اپنے ہاتھ سے لکھی جانے والي کتاب کي سمت پڑتال کے لئے بلایا جائے گا۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف افراد کے اپنے مخصوص اعمال نامے اور کتابیں ہیں بلکہ معاشرے بھی اس اعتبار سے کہ زندہ، باشعور، مکلف اور قابل خطاب ہیں اور ارادہ واختیار بھی ان کے پاس ہے نامہ عمل رکھتے ہیں اور انہیں بھی نامہ عمل کی طرف بلایا جائے گا۔

ایک اور مقام پہ ارشاد الہی ہے:

زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ[2]

ہم نے ہر امت کے عمل کو ان کے لئے زینت بنا دیا ہے۔

یہ آیت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ ایک امت اپنا ایک شعور، اپنا ایک معیار اور اپنا ایک طرز تفکر رکھتی ہے اور اس کا فہم و شعور وادراک خصوصیت کے ساتھ اس سے وابستہ ہوتا ہے۔ ہر امت (کم از کم عملی ادراکات سے متعلق مسائل میں) اپنے مخصوص معیار کے مطابق فیصلہ کرتی ہے۔ ہر امت کے ادراک کا ایک خاص ذوق اور سلیقہ ہوتا ہے بہت سے ایسے امور ہیں جو ایک امت کی نگاہ





---

[1]۔ سورہ جاثیہ/۲۸

[2]۔ سورہ انعام/۱۰۸

میں اچھے اور دوسری کی نگاہ میں برے ہوتے ہیں۔ یہ امت کا معاشرتی ماحول اور اس کی معاشرتی فضاء ہے جو افراد کے ادراک سے متعلق سلیقے کو ایسا بناتی ہے۔

قرآن کریم اس بات کي تصریح کرتا ہے کہ قومیں اور معاشرے اس اعتبار سے کہ قوم اور معاشرہ ہیں (صرف معاشرے کے افراد نہیں) قوانین و سنن اور ان قوانین و سنن کي بنیاد پر اصلاح و فساد رکھتے ہیں۔ معاشرے کے مشترک انجام رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ قوانین و سنن کا حامل ہیں۔

## معاشرے کی اصلاح کے طریقے

دُنیا میں شاید ہی کوئی قوم ایسی گزری ہو جس نے معاشرے میں اصلاح وفساد نہ دیکھا ہو۔ یہ فطری قانون ہے کہ ایک قوم اگر فساد کا شکار ہے اور وہ جہد مسلسل کرتی ہے تو وہ اصلاح حاصل کر لیتی ہے یہ اصلاح و فساد پوری انسانی تاریخ میں جاری رہا اور آج بھی شد و مد کے ساتھ جاری ہے۔ معاشرہ خارجی عوامل کی وجہ کے بغیر ترقی کی راہ طے نہیں کر سکتا اور معاشرے میں آنے والی ہر تبدیلی بغیر علل و اسباب کے نہیں ہوتی۔[1]

إِنَّ اللّٰهَ لا يُغَيِّرُ ما بِقَوْمٍ حَتّى يُغَيِّرُوا ما بِأَنْفُسِهِم[2]

نہ صرف انسانی معاشرہ بلکہ کائنات کا تمام نظام خاص علل کی بنا پر جاری ہے۔

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا[3]

اور آپ اللہ کے دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

اس میں معاشرے کی اصلاح کے مندرجہ بالا طریقوں میں سے چند کا ذکر کیا جائے گا۔

### ۱: الٰہی تعلیمات پر عمل

انسان ہمیشہ سے قانون کا محتاج ہے، خداوند عالم جو کہ انسان کی ضروریات سے مکمل طور پر آگاہ ہے، اس نے انسانوں کی ضروریات اس کی مشکلات اور مسائل و وسائل کو مد نظر رکھ کر اس کے لیے قانون بنایا ہے، وہ چاہتا ہے کہ انسان جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ مشکلات و مسائل کو عبور

---

[1] ۔ عبداللہ جوادی آملی، جامعہ در قرآن، ص۳۴۹

[2] ۔ سورہ رعد/۱۱

[3] ۔ سورہ فتح/۲۳

کرتے ہوئے اس تک پہنچ جائے۔ الٰہی تعلیمات جن کا مجموعہ آسمانی کتب ہیں، میں انسان کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کسی پہلو کو تشنہ نہیں رکھا گیا۔ اگر تمام انسان اس کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر دیں تو وہ کمال و رشد کی بلند ترین سطح پر پہنچ سکتے ہیں۔ جب بھی انسان نے ان الٰہی اور نجات بخش تعلیمات کو پس پشت ڈالا وہ ذلت و فساد کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا اور جن اقوام نے ان تعلیمات کو اہمیت دی ان پر عمل کیا ان کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کیا تو وہی قوم سرفراز ہوئی۔

اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اسلامی معاشرہ اپنے اس اصلی مرتبہ تک نہیں پہنچ سکا جس کی قرآن مجید نے اسے بشارت دی ہے اور فرمایا ہے:

وَ اَنتُمُ الاعْلَوْنَ انْ کُنتُمْ مُؤمِنِینَ [1]

اور غم نہ کرو کہ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو۔

آج ہمیں اس تلخ حقیقت کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اسلامی معاشرہ قرآن کی حقیقت اور علوم اہلبیتؑ سے دور رہنے کے سبب ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب تک میری امت کے لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے رہیں گے، امانت کو واپس کرتے رہیں گے، حرام سے پرہیز کرتے رہیں گے، مہمانوں کا احترام کرتے رہیں گے نماز پڑھتے رہیں گے اور زکاۃ ادا کرتے رہیں گے، اس وقت تک وہ مسلسل خیر پر ہوں گے اور جب انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ قحط سالی اور خشک سالی کا شکار ہو جائیں گے۔[2]

لہذا معاشرے کی اصلاح کے لیے ہمارا الٰہی تعلیمات پر عمل کرنا بہت ضروری ہے اور واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ معاشرہ تمام برائیوں سے پاک ہو سکے۔



[1] ۔ سورۂ العمران / ۱۳۹

[2] ۔ محمد محمدی ری شہری، (مترجم: ذوالفقار علی سعیدی)، حکمت نامہ، ،لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، ج ۱، ص ۵۶۲

### ۲: اتحاد و وحدت کا قیام

اتحاد و وحدت معاشرے کی اصلاح کے لیے بہت ضروری ہے اور فساد و اختلاف تباہی کے گڑھوں میں جا ڈالتا ہے۔ خداوند عالم نے اتحاد کو بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے اور یہ نعمت دوسری نعمتوں کی طرح رقم خرچ کر کے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ[1]

اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے کہ اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا، اس طرح اللہ اپنی آیات کھول کر تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔

انسان کی سعادت اور معاشرے کی بقاء اتحاد و وحدت کے سائے میں ہے۔ معاشروں کا تباہ ہونا تفرقہ اختلاف اور دشمنی کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں اتحاد و وحدت کے بہت سارے آثار ذکر ہوئے ہیں مثلاً معاشرے کی اصلاح، عزت و سربلندی، داخلی و خارجی دشمنوں سے آزادی اور سیاسی اعتبار سے محکم ہونا۔

### ۳: عدال وانصاف کا نفاذ

عدل، اصول دین کا رکن اور خداوند عالم کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اس سے مراد ظلم اور تجاوز کے مقابلے میں دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا اس لحاظ سے عدل کا مطلب "اعطاء كل ذي حقٍ حَقَّه" (ہر چیز کو اس کا حق دینا) ہے اور اس سے وسیع معنی یعنی "ہر چیز کو اسی کی جگہ پر رکھنا یا ہر کام کو بہترین طریقے سے انجام دینا" بھی ہے۔[2] (اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے جس میں حکم و قضاوت، رفتار و گفتار اور زندگی کا ہر شعبہ شامل ہے۔[3] عدل ظلم و جور کا متضاد ہے اور انصاف و قسط

---

[1]۔ سورہ آل عمران / ۱۰۳

[2]۔ رمضان خوادیان دامغانی، سیمای عدالت در قرآن و حدیث، تہران: لوح محفوظ ۱۳۸۲، اول، ص ۲۷

[3]۔ نساء/۵۸، انعام/۱۵۲، اسراء/۳۵، انعام/۱۴۱

کے معنی میں آیا ہے عدل اپنے مشتقات سمیت تیس مرتبہ قرآن میں آیا ہے۔[1] اس تکرار سے پتہ چلتا ہے کی قرآن کی نظر میں عدل کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

تمدن کے تمام اصولوں اور قوانین کا متن قرآن کا ہی اصل اصول ہے اسی اصول کی بناء پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر قوم کا ایک دور اصلاح ہمارے سامنے آتا ہے اور دوسرا زمانہ انحطاط ان دونوں میں فاصل اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ قیام عدل اور نفاذ جور و جفا ہے۔ جب تک قومیں قیام عدل میں مساعی اور جدوجہد کرنے والی ہوتی ہیں تو فتح و کامرانی نصرت الٰہی و کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ جب قیام عدل کی بجائے افشاء ظلم اور ترویج جور و ستم ان کا شعار بن جاتا ہے تو پھر قانون فطرت حرکت میں آتا ہے اور بیک جنبش ان کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے اور پھر ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ اگر معاشرے میں عدالت قائم ہو تو یہی عدالت انسان کو تقوی کے قریب کر دیتی ہے۔

الاّ تَعْدِلواْ اَعْدِلواْ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوي [2]

عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

عدالت سے انحراف کے عوامل میں سے ایک اس آیت میں آیا ہے اور ہوشیار کیا گیا ہے کہ کینہ و دشمنی عدالت میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے اور عدالت سے نہ روک دے اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز کا باعث نہ بنے۔ عدالت تقوی کے مہم ترین عوامل میں سے ایک ہے۔ بعض اوقات ظلم و ستم کا سرچشمہ ہوا پرستی ہوتا ہے اگر کوئی معاشرہ ہوا پرست نہ ہو تو وہاں ظلم و ستم قدم نہیں رکھ سکتا۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں جو عدالت اہمیت رکھتی ہے وہ صرف نظریاتی عدالت نہیں ہے۔ بلکہ عدالت کا اجراء اہم ہے۔

**۴: صبر و استقامت**

لغت میں صبر، روکنے اور محدودیت کے معنی میں آیا ہے۔[1] اور علم اخلاق کی اصطلاح میں اپنے آپ کو اضطراب اور اعتراض و شکایت سے بچانا اور اسی طرح آرام و اطمینان کو بھی کہا جاتا

[1]۔ احمد شرباصی، دایرۃ المعارف اخلاق قرآنی، (ترجمہ محمد بہاء الدین حسینی)، سنندج: تازہ نگاہ، ۱۳۷۹، چ: اول، ج ۱، ص ۴۳؛ محمد حسین شریف رضی، نہج البلاغہ، حکمت ۴۳۷

[2]۔ سورہ مائدہ/۸

ہے۔[۲] خداوند عالم نے قرآن پاک میں مختلف مقامات میں اس موضوع کو بیان کیا ہے اور انسان کو صبر کی عظمت بیان کی ہے اسی طرح صابرین کا ساتھ دینے اور ان کی مشکل مراحل میں مدد کرنے والوں کے لیے نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔[۳] امام علیؑ فرماتے ہیں:

وَ الصَّبْرُ مِنَ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ- وَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا صَبْرَ لَهُ.[۴]

صبر کی ایمان کے ساتھ وہی نسبت ہے جو سر کی جسم کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس میں صبر نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں ہے۔

ہمارے سامنے انبیاء کے صبر واستقامت کے واقعات موجود ہیں جیسے وہ فردی زندگی میں ثمر بخش ہیں اسی طرح اجتماعی زندگی میں بھی وہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ جیسے نافرمانی کے مقابلے میں صبر کی مثال طالوت کی قوم میں نظر آتی ہے جب وہ جنگ کے لیے جا رہے تھے تو انہوں نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ نہر سے جو پانی پیئے گا وہ میرے ساتھ نہیں جائے گا اگرچہ بہت سارے افراد نے پانی پی لیا لیکن بطور قوم کافی سارے افراد اپنے سردار کی نافرمانی کے مقابلے میں صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے والے ثابت ہوئے اور جنگ میں جیت بھی انہی کا مقدر بنی۔

یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ صبر اصلاح کا باعث بنتی ہے اور بے صبری انسان کو ذلت کا منہ دکھاتی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَ لا تَنازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَ اصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ

---

[۱]۔ حسین بن محمد راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۴۷۴؛ محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ق، چاپ سوم، ج ۴، ص ۴۳۸

[۲]۔ حسن مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج ۶، ص ۱۸۲

[۳]۔ ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، تہران: دار الکتب الاسلامیہ، چاپ اول، ۱۳۷۴ش، ج ۱، ص ۵۳۰-۵۳۱

[۴]۔ امام ہشتم علی بن موسی علیہ السلام، صحیفۃ الإمام الرضا علیہ السلام، مشہد: کنگرہ جہانی امام رضا علیہ السلام، چاپ: اول، ۱۴۰۶ق، ص ۸۱

[۵]۔ سورہ انفال/۴۶

اور اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لوگوں کو صبر کی دعوت دی جارہی ہے کیونکہ صبر کو ترک کر دینا، اختلافات اور سستی کا باعث بنتا ہے اور طاقت و قوت کے ختم ہونے اور دشمن کے جری ہونے کا باعث ہے۔[1] لہذا مشکلات و پریشانی، اطاعت و نافرمانی پر صبر کرنا معاشرے کی اصلاح میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

### ۵: اجتماعی تعلیم وتربیت

انفرادی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اجتماعی تعلیم و تربیت بھی نہایت ضروری ہے، جو اس کام کو انجام دے رہا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ انفرادی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اجتماعی تعلیم و تربیت بھی کرے تاکہ ایمان و نیکی، کے ساتھ خدمت خلق ہو سکے۔

"جس معاشرے میں ایمانداری، نیکی اور خدمت خلق کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو، اس معاشرے کا فرد دوسروں کی اصلاح کے سلسلے میں خود کو ذمہ دار سمجھنے لگتا ہے اور کبھی وہ اجتماعی فلاح و بہود کے سلسلے میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ گویا پورے معاشرے کی ذمہ داری اسی کے کاندھوں پر ہے۔

ایسے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کے لیے انتہائی محبت والفت، ایثار اور قربانی کے جذبات رکھتے ہیں۔"[2]

## نتیجہ تحقیق

اس مختصر مقالے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید جیسی عظیم کتاب جو ساری انسانیت کے لیے نور ہدایت کا ذریعہ ہے ایسی کتاب جس میں ہر خشک و تر چیز کا ذکر موجود ہے۔

اسی طرح معاشرے کی اصلاح کے طریقے قرآنی طرز زندگی میں بہت اہمیت کے حامل ہیں اور معاشرے کے طریقے قرآن مجید نے واضح طور پر ذکر کیے ہیں جن اقوام نے ظلم و جبر، انبیاء کی





---

[1] ۔ محمد حسین طباطبائی، ترجمہ تفسیر المیزان، بیروت: مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، چ اول، ۱۴۱۱ھ ج ۱، ص ۵۳۵

[2] ۔ مجتبیٰ موسوی لاری، (مترجم: اسد علی، شجاعتی)، اخلاق اور روحانی نشو ونما، (کراچی: مجمع علمی اسلامی، بی تا،) ص ۱۴۳۔

تکذیب، کفر و شرک، فسق و فجور اور اخلاقی برائیوں جیسے فساد کے طریقے اختیار کیے وہ اپنے آپ کو ذلت سے نہ بچا سکے۔ قرآن پاک نے ایسی اقوام کو ان کے نام و صفات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح معاشرے کی اصلاح کے طریقے جیسے صبر و تحمل، الہی تعلیمات پر عمل، عدل و انصاف کا نفاذ اور اتحاد و وحدت کا قیام عمل میں لایا جائے تو معاشرے ترقی کی راہیں طے کرتے ہیں، مسلمانوں کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ جب اصلاح کے طریقے مسلمانوں نے اختیار کیے تو دنیا میں ان کا ایک خاص مقام بنا۔ آج جبکہ مسلمان ہر جگہ مظلوم و مستضعف ٹھہرے ہیں اس کے اسباب بھی انہوں نے خود اختیار کیے ہیں۔

## فہرست منابع


قرآن مجید

۱. http://urdulughat.info

۲. ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: دار صادر، چ: سوم ۱۴۱۴ق۔

۳. ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، لاہور: مکتبۂ خلیل، بی تا۔

۴. استاد انصاریان، ترجمہ: نہج البلاغہ، تہران، انتشارات پیام آزادی، بی تا۔

۵. امام ہشتم علی بن موسی علیہ السلام، صحیفۃ الامام الرضا علیہ السلام، مشہد: کنگرہ جہانی امام رضا علیہ السلام، چاپ: اول، ۱۴۰۶ق۔

۶. آملی، عبداللہ جوادی،، (محقق: مصطفی خلیلی)، جامعہ در قرآن، قم: مرکز نشر اسراء، چ: سوم ۱۳۸۹ھ ش۔

۷. بستانی، فؤاد افرام، فرہنگ ابجدی، (مترجم: رضا مہیار)، تہران: انتشارات اسلامی، بی تا۔

۸. ترمذی، محمد بن عیسی (مترجم: بدیع الزمان)، سنن ترمذی، لاہور: اسلامی کتب خانہ، بی تا، ۔

۹. حسین بن محمد راغب اصفہانی، (ترجمہ: صفوان عدنان داوودی) مفردات الفاظ القرآن، بیروت دار لقلم -الدار الشامیہ، چ: اول، ۱۴۱۲ق۔

۱۰. حلی، جعفر بن محمد ابن نما (مترجم: علی کرمی)، در سوگ امیر آزادی، (ترجمہ: مشیر الأحزان)، قم: حاذق، چ: اول، ۱۳۸۰ش۔

۱۱. خامنہ ای، علی حسینی، توحید اور معاشرہ، (مرتبہ: مجاہد حسین حر)، لاہور: معراج کمپنی، بی تا۔
۱۲. دامغانی، رمضان خوادیان، سیمای عدالت در قرآن و حدیث، تہران: لوح محفوظ، چ: اول ۱۳۸۲۔
۱۳. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، ترجمہ و تحقیق مفردات الفاظ قرآن، تہران، چاپ: دوم، ۱۳۷۴ش۔
۱۴. ری شہری، محمد محمدی، (مترجم: ذوالفقار علی سعیدی)، حکمت نامہ، لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ۔
۱۵. شرباصی، احمد، دایرۃ المعارف اخلاق قرآنی، (ترجمہ محمد بہاء الدین حسینی)، سنندج: تازہ نگاہ، چ: اول، ۱۳۷۹۔
۱۶. شریف الرضی، محمد بن حسین، نہج البلاغۃ (للصبحی صالح)، قم: ہجرت، چاپ: اول، ۱۴۱۴ق۔
۱۷. شعیری، محمد بن محمد، جامع الأخبار، نجف: مطبعۃ حیدریۃ، چاپ: اول، بی تا۔
۱۸. شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، تہران: دار الکتب الاسلامیہ، چاپ اول، ۱۳۷۴ش۔
۱۹. صدیق سروستانی، رحمت اللہ، آسیب شناسی اجتماعی، تہران: سمت، چاپ دوّم، ۱۳۸۷۔
۲۰. طباطبائی، محمد حسین، ترجمہ تفسیر المیزان، بیروت: مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، چ اول، ۱۴۱۱ھ۔
۲۱. طریحی، فخر الدین بن محمد، (محقق: احمد حسینی اشکوری)، مجمع البحرین، تہران: مرتضوی، چ: سوم، ۱۳۷۵ش۔
۲۲. عیاشی، محمد بن مسعود، تفسیر العیّاشی، تہران: المطبعۃ العلمیۃ، چاپ: اول، ۱۳۸۰ق۔
۲۳. فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، قم: نشر ہجرت، چ: دوم، ۱۴۰۹ق۔
۲۴. قاسمی کیرانوی، وحید الزمان، پاکستان: ادارہ اسلامیہ، ۲۰۰۱، ۱۴۲۲۔
۲۵. کافی، مجید، مبانی جامعہ شناسی، قم: مرکز جہانی علوم اسلامی، چ: اوّل، ۱۳۸۵ش۔
۲۶. لیثی واسطی، علی بن محمد، عیون الحکم و المواعظ، قم: دار الحدیث، چاپ: اول، ۱۳۷۶ش،
۲۷. مجلسی محمد باقر، بحار الأنوار، بیروت: دار إحیاء التراث العربی، چاپ: دوم، ۱۴۰۳ق۔

۲۸. مصطفوی, حسن ،التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، تہران : وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۶۸ش۔
۲۹. مطہری مرتضٰی، تاریخ اور معاشرہ، لاہور : شہید مطہری فاونڈیشن، بی تا۔
۳۰. مطہری، مرتضٰی، اسلامی تاریخ میں اصلاحی تحریکیں، لاہور: معراج کمپنی، بی تا۔
۳۱. موسوی لاری، مجتبٰی، (مترجم: اسد علی، شجاعتی)، اخلاق اور روحانی نشوونما، کراچی: مجمع علمی اسلامی، بی تا
۳۲. مغربی، نعمان بن محمد شرح الأخبار فی فضائل الائمۃ الأطہار علیہم السلام، قم: جامعہ مدرسین، چاپ: اول، ۱۴۰۹ق۔